© rasailojaraid.com

موجودہ نظام ہائے تعلیم کا ایک جائزہ

از پروفیسر غلام رسول عدیم

تعلیم نام ہے ایک نسل کے تجربات کو دوسری نسل تک منتقل کرنے کا' تاکہ آئندہ نسل پہلی نسل کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر انسانیت کی تعمیر نو میں بہتر کردار انجام دے سکے۔ یوں تعلیمی ادارے وہ مراکز ہیں جہاں اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ نسل نو اس طریقے سے پروان چڑھے کہ پرانی نسل کی کوتاہیاں' لغزشیں اور غلطیاں پھر نہ دہرائی جائیں اور معاشرہ اس نہج پر بلندیوں کی طرف بڑھے کہ کسی موقع پر پستیوں میں گرنے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔

جہاں تک معاشرتی اقدار کا تعلق ہے ہر معاشرہ اپنے مخصوص تقاضے رکھتا ہے۔ تعلیم کا عمل ان تقاضوں سے ہم آہنگ ہوئے بغیر جاری نہیں رکھا جاسکتا اور اگر جاری رکھا بھی جائے تو وہ ضیاع وقت اور کوشش بے سود کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

سب سے پہلے کسی معاشرے کو یہ بات متعین کرنا ہوتی ہے کہ اسے کاروبار حیات چلانے کے لیے کیسے افراد کی ضرورت ہے۔ اسے کس طرح کے انجنیئر' ڈاکٹر' کاریگر' کسان' وکیل' تاجر اور دیگر پیشہ وارانہ مہارتوں کے افراد کی ضرورت ہے۔ ان کی سوچ کا ڈھب کیا ہو۔ ان کے افکار و کردار میں کیا خصوصیات پائی جانی چاہئیں ۔ وہ اپنی مہارتوں سے کیسے معاشرے کے لیے مفید مطلب ثابت ہوں گے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ پہلے معاشرے کو مقصد حیات متعین کرنا ہوگا اور پیشہ وارانہ مہارتوں کے افراد کی مہارتی ترجیحات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جب کوئی سوسائٹی یہ امر خوب سوچ سمجھ کر طے کرلے تو اس کے بعد اس مقصد کے حصول کے لیے تعلیم کو ذریعہ حصول بناتی ہے۔ یوں تعیین مقصد پہلا قدم ہے اور حصول مقصد دوسرا مرحلہ اور تعلیم اس مقصد کے حصول کا شاندار اور جاندار ذریعہ۔

پاکستان دنیا کا واحد نظریاتی ملک ہے جس کے نظریے کا تعین پہلے کیا گیا اور مملکت کہیں بعد میں وجود میں آئی۔ اگرچہ اس نظریے کا پرچار تو برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا مگر امتیازی شان سے محمد بن قاسم کی فتح سندھ ۷۱۲ء میں یہ نظریہ کھل کر سامنے آگیا۔ تین سو سال کے دور خمول کے بعد پھر اس نظریے کے پرچارک شمال مغرب کی راہ سے آئے اور بعد ازاں بارھویں صدی عیسوی سے لیکر تحریک پاکستان اور نتیجتہً قیام پاکستان تک اس نظریے کا پرچار کسی نہ کسی جہت سے ہوتا ہی رہا۔ تخلیق پاکستان کا مقصد عربوں' غزنویوں' غوریوں' مملوکوں' خلجیوں' تغلقوں' لودھیوں' مغلوں اور آخر میں جملہ مسلمانان برصغیر نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ ایک ہی سمجھا۔ مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پیش نظر بھی وہی تھا جو بعد میں زعمائے مسلم لیگ کا مطمح نظر تھا۔ قیام پاکستان سے پہلے بھی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اس کا اعادہ ہوتا رہا اور قیام پاکستان کے بعد بابائے قوم نے دو ٹوک الفاظ میں تخلیق پاکستان کا مقصد پیش کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فرمایا:۔

"قیام پاکستان جس کیلئے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے اپنے لیے مملکت قائم کرنا ہی ہمارا مقصد نہیں تھا بلکہ یہ ذریعہ تھا حصول مقصد کا۔ مدعا یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسرعمل آنے کا موقع حاصل ہو"۔

(افسروں سے خطاب ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اس فرمان واجب الاذعان کے پیش نظر پاکستان کی وجہ جواز ہی اسلام اور اسلامی نظام زندگی ٹھہرتی ہے۔ جو لوگ تخلیق پاکستان کو محض چند اقتصادی عوامل اور مالی مجبوریوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں انھیں بابائے قوم کی تکذیب و تردید کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچنا چاہیے۔ یہ ضرور تھا کہ علیحدہ مملکت کی صورت میں مسلم معاشرہ ہندو کی اقتصادی چیرہ دستیوں اور معاشی بالا دستی سے نجات پا جائے مگر تخلیق پاکستان کا یہ مقصد وحید نہیں تھا۔ ہاں البتہ یہ لازمی نتیجہ تھا اس عظیم مطمح نگاہ کا جس کی وجہ سے برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور وہ صرف اور صرف اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسرعمل آنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔ اب یہ بدیہی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلامی نظام حیات کی تجربہ گاہ کے طور پر قیام پذیر ہوا۔

جب نصب العین کا تعین ہو چکا تو اب ضروری ہے کہ یہاں تعلیم و تعلم کا وہ انداز اختیار کیا جائے جس سے آج کے بچے کل کے سچے پاکستانی اور پکے مسلمان بن کر اٹھیں۔ ایسے محکم اساس نظام تعلیم کا بندوبست کیا جائے جو نسل نو کو نظریہ پاکستان، تاریخ پاکستان اور تحریک پاکستان سے اس طرح روشناس کرائے کہ وہ فارغ التحصیل ہو کر ایک خاص تہذیبی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں اور ان کی اٹھان ایک مخصوص تمدنی ساخت کی آئینہ دار ہو۔

ذرا ماضی کے دھندلکوں میں جھانک کر برصغیر میں تعلیمی ارتقاء کا سرسری جائزہ لیتے چلیں تاکہ ہم اس قابل ہو سکیں کہ ہمارے نظام تعلیم میں رخنہ اندازی کہاں سے شروع ہوئی اور تعلیمی انحطاط کا بند کن سوراخوں کی وجہ سے ٹوٹنا شروع ہوا جس کی وجہ سے آج ایک تباہ کن سیلاب بلا انڈ آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریز کی آمد سے پہلے یہاں ایک خاص طرز کا نظام تعلیم جاری تھا۔ صدیوں پہلے عہد سلاطین میں اس وقت کے مخصوص حالات کے مطابق یہاں عربی ' فارسی ' ہیئت ' تفسیر' حدیث ' فقہ اور ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ پیشہ وارانہ تعلیم کا باقاعدہ رواج نہ تھا البتہ نجی اور انفرادی سطح پر مہارتوں کا حصول عام تھا۔ سلاطین دہلی نے مختلف مقامات پر مدارس قائم کر رکھے تھے۔ اور یہ مدارس وقتی ضروریات کو بوجوہ احسن پورا کرتے تھے۔ ادھر خانقاہوں میں تصوف کی تعلیم کا رواج تھا جو نظری سے زیادہ عملی ہوتی تھی۔ اس کا مقصد قرآن و سنت کی روشنی میں تعلیم سے زیادہ تربیت تھا جس سے انسانی کردار کی اصلاح مقصود تھی۔

سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء - ۱۳۵۱ء) نے تیس بڑے کالج تعمیر کرائے جن میں مدرسہ فیروز شاہی اہم ترین تھا جسے فیروز آباد میں تعمیر کرایا گیا۔

مغلیہ عہد میں ہمایوں (۱۵۳۰ء - ۱۵۴۰ء ' ۱۵۵۵ء - ۱۵۵۶ء) نے دہلی میں ایک بہت بڑا کالج قائم کیا جس کے پرنسپل شیخ حسین تھے۔ شاہجہان (۱۶۲۸ء - ۱۶۵۸ء) نے جامع مسجد دہلی کے قریب ایک شاندار مدرسہ تعمیر کروایا۔ عہد عالمگیری (۱۶۵۸ء - ۱۷۰۷ء) میں مجدد ملت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کا "مدرسہ رحیمیہ" اپنے دور کا اہم ترین مدرسہ تھا۔ آگرہ اور دہلی علم و فضل کے دو دھاروں کا سنگم بن گئے۔ مصر' حجاز اور یمن کی جانب سے عربیت قرآن اور حدیث کے' علوم کے چشمے پھوٹ رہے تھے تو ایران سے عقلی علوم اور تجربی و تطبیقی فنون کا وہ دھارا بہہ رہا تھا جس کے بہترین نمائندہ فتح اللہ شیرازی تھے۔

عہد اکبری (۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء) تک نصاب تعلیم میں معقول' فلکیات اور ریاضیات کا پلہ بھاری ہو چکا تھا مگر پھر بھی عربیت بے وزن نہیں ہوئی کیونکہ ان معقولات کی زبان اب بھی عربی ہی تھی ۔ عہد اکبری میں سنسکرت اور ہندو فلسفے کا دریچہ کھلا۔ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں اس دور کے علوم گنواتے ہوئے اخلاق ' حساب ' سیاق (ACCOUNTANCY)' فلاحت (زراعت)' ہندسہ ' نجوم ' رمل ' تدبیر منزل (DOMESTIC ECONOMY)' سیاست مدن (POLITICS)' منطق' ریاضی' طب اور تاریخ کو سر فہرست بتایا ہے۔

اب ضرورت اس امر کی تھی کہ عربیت ' منقول اور معقول میں ایک خوبصورت توازن پیدا کیا جائے تاکہ نہ تو محض عربیت کے علوم آلیہ

(INSTRUMENTAL LEARNINGS) ہی مقصد وحید بن جائے اور طالب علم محض گردانیں رٹ رٹ کر لنشائی صلاحیتوں سے بے بہرہ رہیں نہ ہی منقولات (قرآن ' حدیث اور فقہ) ہی تک محدود رہیں اور نہ ہی فلسفیانہ الجھاؤ میں اپنا وقت برباد کرتے رہیں بلکہ ان کا ایک ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین امتزاج پیش کیا جائے جس سے ذہنی نشوونما کے ساتھ ساتھ اسلام سے شیفتگی بھی برقرار رہے۔ چنانچہ یہ کام مغلیہ دور کے سیاسی دور زوال میں بعہد محمد شاہ (۱۷۱۹ء ۔ ۱۷۴۸ء) ایک بزرگ مولانا نظام الدین سہالوی متوفی ۱۷۴۸ء نے انجام دیا۔ مولانا موصوف نے ایک مقبول عام نصاب تدوین کیا جو درس نظامی کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا نظام الدین سہالوی لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ سہالی میں پیدا ہوئے مگر والد کی شہادت کے بعد لکھنؤ چلے آئے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے "فرنگی محل" کی عمارت عطا کر دی۔ یہیں انھوں نے مدرسہ قائم کیا۔ بقول صاحب "تذکرہ علمائے ہند" برصغیر پاکستان و ہند میں شاید ہی کوئی ہوگا جو ان کا یا ان کے بیٹوں کا یا ان کے شاگردوں کا شاگرد نہ ہو۔

مولانا سہالوی نے کئی عربی کتب بھی تصنیف کیں جن میں شرح مسلم الثبوت سب سے زیادہ اہم ہے تاہم ان کی شہرت کا مدار ان کی تصانیف سے زیادہ ان کے نامور تلامذہ اور خصوصاً ان کے طریقہ تدریس اور نصاب کی تدوین پر ہے جس سے وسعت نظر، قوت مطالعہ اور کمالات عالیہ پیدا ہوتے تھے۔ ان کے صاحبزادے بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی نے بڑا نام پایا۔

وہ مدارس جو یہ نصاب پڑھاتے تھے انھیں مدارس نظامیہ اور اس درس کو درس نظامی کہنے لگے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ جامع نظامیہ بغداد (موسسہ ۱۰۶۵ء) جس کے بانی نظام الملک طوسی (۱۰۱۸ء ۔ ۱۰۹۲ء) وزیر سلاجقہ تھے۔ اس درس نظامی کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ وہ صدیوں پہلے اپنے منہاج و انداز کی عظیم درس گاہ تھی۔

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا درس نظامی کے محتویات کا سرسری جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس درس میں ۲۰ علوم اور ۱۱ مادہ ہائے تدریس تھے جن میں سوا سو کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اس نصاب کے علمی اعتبار کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل جدول پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

نمبر شمار	علوم	مجوزہ کتب
۱	علم الصرف	میزان۔ منشعب۔ پنج گنج۔ زبدۃ۔ صرف میر۔ فصول اکبری۔ شافیہ۔ نقود الصرف۔ دستور المبتدی
۲	علم النحو	ماۃ عامل، شرح ماۃ عامل، نحو میر۔ ہدایت النحو۔ کافیہ۔ ضو شرح ملا۔
۳	علوم معانی بیان وبدیع	مختصر معانی۔ مطول۔ تا بحث ما انا قلت۔ ملا زادہ مختصر
۴	علم ادب	مقامات حریری (انتخاب) دیوان متنبی (چند صفحے) سبعہ معلقہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

		حماسہ نفحۃ الیمن، العجب العجائب
۵	علم منطق	ایساغوجی۔ قال اقول۔ میرایساغوجی۔ شرح تہذیب ملایزدی۔ بدیع المیزان قطبی۔ تصدیقات (شرح سلم ملاحسن) تصدیقات (شرح سلم ملاحمد اللہ) تصورات (شرح سلم قاضی مبارک) میرزاہد رسالہ غلام یحییٰ حاشیہ بحرالعلوم برمیرزاہد رسالہ ملاجلال۔ میرزاہد ملاجلال
۶	علم طبعی والٰہی	میبذی۔ صدرا تا فلکیات۔ شمس بازغہ
۷	علم حساب	خلاصۃ الحساب (صرف ایک کتاب)
۸	علم ہندسہ	تحریر اقلیدس (ناتمام)
۹	علم ہیئت	تشریح الافلاک بامنہیات۔ قوشجیہ۔ سبعہ شداد، شرح چغمینی
۱۰	علم کلام	شرح عقائد نسفی، خیالی، شرح مواقف۔ میرزاہد امور عامہ۔ شرح عقائد جلالی عقیدہ حافظ۔ حاشیہ فاضل قراباغی برعقائد جلالی۔
۱۱	علم فقہ	شرح وقایہ (ناتمام) ہدایہ (معاملات) کنزالدقائق، مختصر وقایہ اور قدوری
۱۲	علم اصول	اصول الشاشی، نورالانوار۔ توضیح۔ تلویح۔ مسلم الثبوت۔ دائرۃ الاصول۔ حسامی
۱۳	علم تفسیر	جلالین۔ بیضاوی۔ کشاف۔ (چندپارے) مدارک
۱۴	علم فرائض	فرائض شریفی (صرف ایک کتاب)
۱۵	علم مناظرہ	رشیدیہ (صرف ایک کتاب)
۱۶	علم وضع آلات	رسالہ اصطرلاب از محقق طوسی
۱۷	علم اصول حدیث	نخبتہ الفکر
۱۸	علم حدیث	مشکوۃ المصابیح۔ موطا۔ صحاح ستہ کا تھوڑا تھوڑا حصہ بطور تبرک۔ صحاح ستہ یہ ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ صحیح نسائی۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ۔
۱۹	علم لغت	القاموس از مجدالدین فیروز آبادی
۲۰	علم طب	قانونچہ، موجز، کلیات نفیسی، معالجات سدیدی۔ شرح اسباب۔ حمیات شیخ

اہل تشیع کے ہاں بھی یہی درس رائج تھا ہاں کسی قدر اس میں ترمیم کرلی گئی۔ خصوصاً" تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام میں خاصا تفاوت ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمبر شمار	علوم	مجوزہ کتب
۱۔	علم فقہ	حدیقۃ المتقین۔ جامع عباسی۔ مختصر نافع۔ شرع صغیر، شرح ملمعہ دمشقی شرائع الاسلام از علامہ حلی۔ جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام
۲۔	علم اصول فقہ	معالم الاصول۔ اساس الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین
۳۔	علم کلام	تجرید، شرح تجرید از علامہ حلی، کشف الحق۔ شرح کشف الحق از قاضی نور اللہ (صرف گیارھواں باب)
۴۔	علم حدیث	کتب اربعہ۔ اصول کافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ تہذیب۔ الاستبصار
۵۔	علم تفسیر	تفسیر مجمع البیان۔

درس نظامی میں سب سے زیادہ اہمیت صرف و نحو کو دی جاتی تھی پھر معقولات (کلام، منطق، حکمت، ریاضی) پر زور دیا جاتا۔ اس کے بعد فقہ کی باری آئی اور حدیث و تفسیر تو محض تبرکا" ہی پڑھائی جاتی ۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ درسی نصاب ' اخلاق (ETHICS)' تصوف (MYSTICISM) سے تو بالکل ہی عاری تھا۔ ان موضوعات پر ایک بھی کتاب شامل درس نہ تھی اور ادب (LITERATURE) اگر تھا بھی تو اس کی تدریس محض برائے نام تھی اس نہج تدریس پر برصغیر میں سینکڑوں ہزاروں مدارس کام کرتے رہے۔ ۱۷۸۱ء میں ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (WARREN HASTINGS)(۱۷۷۴ء ۱۷۸۵ء) نے کلکتہ میں مدرسہ عالیہ جاری کیا۔ اس مدرسے میں مسلمانوں کی تعلیمی روایات کو کسی حد تک پیش نظر رکھا گیا۔ وارن ہسٹنگز کے مدرسہ عالیہ کلکتہ ۱۷۸۱ء سے لیکر دہلی کالج (بعہد لارڈ وارن ہسٹنگز ۱۸۱۳ء ۔ ۱۸۲۳ء) ۱۸۲۲ء تک انگریزی تعلیمی پالیسی نے پرانی ڈگر سے ہٹ کر ایک نئی سمت اختیار کر لی۔ انگریز نے شروع شروع میں مشرقی علوم کی حوصلہ افزائی کی اور مختلف اداروں کی صورت میں اہل ہند کو ان کی تہذیبی روایات کے ساتھ وابستہ رہنے دیا گیا۔ مثلا" ۱۷۸۴ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد مشرقی علوم کی تحقیق و تدقیق تھا چوتھے گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی (MARQUIS WELLSELEY) (۱۷۹۸ـ۱۸۰۵) کے عہد میں ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ ہی میں قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازمین کو اردو زبان سے روشناس کرانا تھا نتیجتہ آسان اردو میں کتابیں لکھی گئیں جس سے ضمنا" اردو زبان و ادب کی ترقی کا پہلو بھی نکل آیا۔ ۱۸۲۲ء میں آگرہ کالج کی بنیاد رکھی گئی اور آخر ۱۸۲۷ء میں دہلی کالج کی بنیاد رکھی گئی ۔ ان تعلیمی اداروں میں مشرقی علوم والسنہ کی تعلیم دی جاتی اور رائج الوقت طریقے کے مطابق زیادہ تر فارسی ذریعہ تعلیم تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۳۵ء میں میکالے نے تعلیمی پالیسی کا رخ تبدیل کر دیا اور ۱۸۴۴ء میں فارسی دفتری زبان کی حیثیت سے ختم کردی گئی اور انگریزی نے اس کی جگہ لے لی۔

غیر ملکی حکمرانوں نے مسلمانوں کی تہذیبی روح کو فنا کرنے کے لیے تین محاذ کھول دیے پہلا محاذ اقتصادی تباہ حالی کا تھا سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کر دیے گئے۔ اس ضمن میں مسلمانوں کی حالت زار کا وہ نقشہ نہایت زہرہ گداز ہے۔ وہ قلی' قاصد' چپراسی کی ملازمت سے آگے سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

W.W.Hunter نے اپنی مشہور کتاب (The Indian Mussalmans) میں کھینچا ہے۔ مسٹر ہنٹر کا کہنا ہے۔

> ."And in fact There is no Scarcely an office Calcutta in which Mussalmans can hope for any post above The rank of Porter, messenger, filler of inkpots and mender of pens."

پیٹ کی مار کے بعد دوسرا محاذ مسیحی مشنریوں کا تھا جنھوں نے سہرام پور کو مرکز بنا کر ولیم کیرے کی سرکردگی میں پہلا مشن قائم کیا ۱۷۹۳ء میں پہلا کالج بھی کھول دیا۔ ساتھ ہی ساتھ تبلیغ مسیحیت کے لیے ہفتہ وار اخبار "سماچار درپن" جاری کر دیا بعد ازاں مدراس اور بمبئی ان مشنریوں کے گڑھ بن گئے۔

تیسرا اور اہم محاذ مسلمانوں کی خودی کو تعلیم کے تیزاب میں ڈالنے کا تھا۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال کر ان کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر

(اقبال)

اس محاذ پر نویں گورنر جنرل ولیم بنٹنک (WILLIAM BENTINCK) نے ایک متعصب اور مغرور انگریز کو مامور کیا جو کونسل کا ممبر بھی تھا۔ اس انگریز ماہر تعلیم لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اپنی تعلیمی رپورٹ پیش کر کے پرانی تعلیمی بنیادوں کو ہلا کے رکھ دیا۔ اس کی دوربین نگاہیں اس سطح پر جمی ہوئی تھیں کہ کوئی دن جاتا ہے اس کا دیا ہوا نظام تعلیم ضرور اہل ہند کو "بابو" اور "دیسی صاحب" قسم کے افراد مہیا کرے گا۔ انگریزی زبان دفتری' عدالتی اور ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کی جانے لگی اس کے ساتھ عربی اور فارسی کے تہذیبی و لسانی سانچے ٹوٹنے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی تعلیم کی ترویج کے ساتھ یورپی تعلیمی نظریات کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ ادھر میکالے صاف لفظوں میں انگریزی تعلیم اور اس کے مقاصد کا اظہار کرچکا تھا۔ اس نے برصغیر میں انگریز کی تعلیمی پالیسی کے بارے میں جو مغرورانہ اور جاہلانہ نوٹ لکھا اس کا ایک اقتباس مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ملاحظہ فرمایئے۔

"We must at present do our best to form a class of persons, Indian in blood and colour but English in taste, in opinions, in morals and in intellect."

"Maculay' s Minutes on Education in India"

(calcutta 1862 p 115)

ایک طرف تو انگریزی حکومت نے ہندوستانیوں کو "دیسی صاحب" بنانے کا عزم کر لیا، دوسری طرف مغربی ماہرین کے نقطہ ہائے نگاہ سے تعارف کی راہیں کھلیں چنانچہ چیکوسلواکیہ کے کومینس Comenius (۱۵۹۲ء - ۱۶۷۰ء) انگریز جان لاک John Locke (۱۶۳۲-۱۷۰۴ء) فرانسیسی جیکوئس روسو Hacques Rousseau (۱۷۱۲ء - ۱۷۷۸ء) سوئٹزر لینڈ کے جان ہنری پستالوزی Johann Heinvich Pestalozzi (۱۷۴۶-۱۸۲۷ء) انگریز ہربرٹ سپنسر Herbert Spencey (۱۸۲۰ء - ۱۹۰۳ء) امریکی جان ڈیوی John Dewey (۱۸۵۹ء - ۱۹۵۲ء) کے تعلیمی افکار و نظریات نے تعلیمی دنیا میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔

ادھر ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ یہاں درس نظامی میں حدیث اور اس سے متعلقہ علوم پر خاصا زور دیا جانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد کئی ادارے تعلیم و تعلم کا علم لے کر اٹھے۔

۱۸۵۳ء تک مسلمانوں نے اس طرز تعلیم اور علوم دخلیہ کے معاملے میں مزاحمت دکھائی مگر ۱۸۵۴ء میں ایک مراسلے کے ذریعے حکومت کی طرف سے پرائیوٹ تعلیمی ادارے کھولنے کی حوصلہ افزائی کی گئی اور حکومتی گرانٹ کے بل پر کئی نئے ادارے کھل گئے۔

۱۸۷۲ء میں اورنٹل کالج (Oriental College) لاہور کا اجرا ہوا جس کے پہلے پرنسپل ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹینر (G.W.Leitener) تھے۔ ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ دیوبند خالص اسلامی تہذیبی روایات علوم اسلامیہ کا علمبردار تھا۔ اورنٹل کالج میں السنہ شرقیہ پر زور دیا جاتا تھا۔ کوئی ۳۶ امتحانات کی تیاری کرائی جاتی تھی جن میں اردو ہندی ، گورمکھی ، عربی ، فارسی ، پشتو سنسکرت وغیرہ کے امتحان شامل تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی گڑھ کا نعرہ یہ تھا ہمارے ایک ہاتھ میں فلسفہ دوسرے میں سائنس اور سر پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج ہو گا مگر نعرہ محض نعرہ ہی رہا۔ دیو بند نے دوسری انتہا اپنالی۔

۱۸۸۲ء میں Hunter Commission کی سفارشات سے پیشہ وارانہ تعلیم اور مزید یونیورسٹیاں کھولنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ میسور، پٹنہ، علیگڑھ، لکھنؤ اور دکن میں یونیورسٹیاں کھل گئیں۔

اگر ایک طرف دیوبند، علیگڑھ، ندوۃ العلماء اور بعدازاں جامعہ ملیہ مسلمانوں کو اپنی تہذیبی روایات سے وابستہ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھے تو دوسری طرف انگریزی شکر لپٹی گولیوں کے ساتھ وشو بھارتی، واردھا سکیم اور ودیا مندر جیسی سکیموں نے مسلمانوں کے کلچر کو تباہ کرنے کیلئے کھلم کھلا زہر فشانی شروع کردی۔

مسلمانوں کیلئے اب اصل میں فکری لحاظ سے تعلیم کے دو بڑے مرکز تھے ایک دیوبند دوسرا علی گڑھ ۔ دیوبند نے جامعہ نظامیہ بغداد، جامعہ الازہر مصر اور جامعہ قرطبہ اندلس کا انداز تعلیم اختیار کیا۔ ان کے قیام و بقا کا مدار حکومتوں کے خزانوں پر تھا مگر دیو بند حکومتی عطایا و ہدایا سے بے نیاز رہا۔ علی گڑھ کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔

۱۸۹۸ء میں دیوبند اور علی گڑھ کے نقائص کے ازالے کیلئے لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ ندوے نے درمیانی راہ اختیار کی۔

تاہم حاکمان وقت کی ترغیبات نے تعلیمی دنیا میں مغربی افکار کو اس طرح سمو دیا کہ امتداد وقت کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقے میں ذہنی انتشار اور فکری ژولیدگی کی راہ کھل گئی۔ عقیدۂ اسلام سے شیفتگی کا دعویٰ تھا مگر ذہنا" افکار یورپ سے وابستگی نے ان میں دوغلا پن پیدا کر دیا۔ مسلمان اقتصادی مار تو کھا ہی رہے تھے تعلیمی طور پر بھی پس گئے۔

بیسوں صدی کا آغاز ہوا تو ۱۹۱۳ء میں سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی ۱۹۱۹ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد اور ۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ دہلی نے اسلامی تہذیب و تمدن کی بازیافت کے لیے علمی سرگرمیاں جاری رکھیں مگر سیاسی شکست کے بعد اس سیلاب بلانے ہمارے درو دیوار کو منہدم کر کے رکھ دیا۔ ۱۹۲۹ء میں ہار ٹگ کمیشن کی رپورٹ اور ۱۹۴۴ء میں سارجنٹ نے تعلیمی اصلاحات کے ذریعے تعلیمی دنیا میں انقلاب کا دعوی کیا لیکن اصل میں مغرب کے تہذیبی اثرات دیسی صاحبوں کے اندر گہرے اتر رہے تھے بایں ہمہ اصلاح فلاح تعلیم پھیلتی گئی مگر علم کم سے کمتر ہوتا چلا گیا۔ مغربی دنیا سے جو تجربی عمرانی علوم آئے ان کی تدریس کا م و انداز وہ نہ تھا جو آکسفورڈ یا کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں تھا۔ یہاں ان علوم کی تدریس بالکل دوسرے خطوط پر ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہی تھی یہاں نظریہ تقاطر(ation Theory کے ذریعے ایک طرف ایک مخصوص طبقہ پیدا کرنا مقصود تھا جو پوری پوری فرمانبرداری کے ساتھ حکومت کی معاونت کر سکے۔ دوسرے ادنیٰ درجے کے بابو اور کلرک پیدا کرنا مطلوب تھا جو اچھوتوں کی طرح دیسی صاحبوں اور ولایتی صاحبوں کی چاکری کا فریضہ انجام دے سکیں ۳ نومبر ۱۸۸۶ء کو ہندوستان کے اس وقت کے وائسرائے لارڈ ڈفرن (DUFFERN) نے ایچی سن کالج لاہور کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے جس دکھی دل اور حسرت ناک لہجے میں خیالات کا اظہار کیا تھا اس نظریئہ تقاطر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

Hither to The native aristocracy has participated but little in The benefits of our education System from The middle and lower ranks of society is rising up year by year an ever increasing number of candidates for honours in our academical institutions, while Those who are The here distary leaders of the people are being allowed out of the positions which They are naturally expected by their fellow countrymen to accupy , but for which under The alteved Circum stances of the Times They have as yet failed to qualify them selves. >

(Article : Atchison College------)

The coming of age by Syed Mohammad muhsin
P.t novermber 1.1986

یوں انگریزی طرز تعلیم نے ایک مخصوص طبقے کی بالادستی قائم کردی تاکہ وہ حکومتی امور میں ان کا ہاتھ بٹا سکے۔ ادھر برصغیر کے پرانے نظام پر مبنی نہایت شاندار تعلیمی ادارے ختم ہی کر دیے۔ معافیات کا نظام درہم برہم کیا۔ اوقاف و وظائف کا سلسلہ بند کیا اور مسلمانوں کی تہذیبی و ثقافتی روح کو کچل کے رکھ دیا۔ تاہم مسلمانوں نے اپنی حرارت ایمانی کے بل پر تعلیم و تعلم کا کام جاری رکھا۔

انگریزی طرز تعلیم کی بالا دستی سے روح علم مفقود ہوگئی مگر تعلیم پھیلتی چلی گئی۔ بیسوں نئے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا۔ عمرانی علوم میں اقتصادیات' نفسیات' فلسفہ' منطق 'سیاسیات' تاریخ 'مدنیات' سوشیالوجی' سوشل ورک' بزنس ایڈمنسٹریشن' پبلک ایڈمنسٹریشن' امور خانہ داری وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے مضامین سے متعارف کرایا گیا۔

لسانی علوم میں انگریزی کو ڈگری کے درجے تک لازمی قرار دیا گیا مگر ساتھ ہی مشرقی زبانوں کی تدریس بھی جاری رکھی گئی مگر برائے نام اس لیے کہ زبانوں کے علوم آلیہ کو یکسر بالائے طاق رکھ کے تدریس میں بلاواسطہ طریق تدریس (Divect Method of Teaching) سے کچے پکے خواندہ اشخاص تیار ہونے لگے جو کسی زبان پر ماہرانہ دسترس رکھتے اور نہ ہی اس میں کوئی انشائی و تخلیقی کام کر سکتے اور کوئی تخلیقی کام سامنے بھی آتا تو زبان و بیان کے بے شمار اسقام کے ساتھ۔

تجربی علوم میں کمیا' طبیعیات' علم الحیوانات' علم النباتات' علم الابدان' علم تشریح الابدان' ہندسہ ' ریاضی' شماریات وغیرہ سامنے آئے پھر ان میں سے ہر ایک کو کئی کئی شاخوں میں بانٹ دیا گیا۔

مگر اس سارے ہنگامے میں اس امر کا خیال نہ رکھا گیا کہ کون کون سے علوم کس انداز تدریس اور کس کینڈے کے مدرسین سے پڑھائے جا رہے ہیں یوں ان نصابوں کا انبار مسلمان طلبہ کے ذہنوں میں اتارا جانے لگا۔ علم کو محض حقائق کی پردہ کشائی کا ذریعہ سمجھا جانے لگا اور یہ بات ذہن میں نہ آسکی کہ علم اپنی سینکڑوں شاخوں کے ساتھ محض راز ہائے سربستہ کی تلاش و جستجو نہیں بلکہ وہ ایک آلہ ہے انسانی سیرتوں میں ارتقائی و فلاحی رویے ابھارنے کا۔ اگر تجربی علوم حقائق کے نقاب کشا ہیں تو عمرانی علوم ان حقائق کو انسانی فلاح میں کہاں تک مستفید بناتے ہیں۔

تحقیق و جستجو کی ساری کوششیں اس مقصد کے لیے صرف ہونا چاہیے تھیں۔ مگر وہ انسانی صلاح و خیر کی ضامن ہوں اور خصوصاً" مملکت اسلامیہ پاکستان میں وہ ایسی نسل کو پروان چڑھائیں جو پوری انسانیت کی سیادت و قیادت کی ذمہ داری اٹھا سکے۔

مگر ہوا یوں کہ علوم و فنون کو اس بوقلموں تنوع کے باوصف محض حقائق رسی تک محدود کر لیا گیا۔ نہ ان سے کوئی نقطہ نگاہ پیدا ہوا نہ افکار و کردار میں کوئی مثبت انقلاب آیا۔ ہاں اگر کچھ ہوا تو یہ کہ انگریزی نظام تعلیم سے مغربی علوم کے توسط سے ایک طرف ہمیں معلومات کے انبار ملے تو دوسری طرف بنیادی اسلامی فکر کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کی کوششیں ہونے لگیں اس لیے کہ ان علوم کی اٹھان ہی لادینی و الحادی بنیادوں پر اٹھائی گئی تھی۔ اس نظام میں انسان اور خالق' انسان اور انسان اور انسان اور کائنات کے سہ گانہ اسلامی تصور حیات کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔

یہی میکالے کا مدعا تھا اور یہی اس طرز تعلیم کا مقصد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برصغیر میں اس طرز تعلیم کے خلاف اس صدی میں سب سے زیادہ جاندار آواز پنجاب کے ایک گوشے سے ابھری اور وہ آواز حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کی تھی۔

اقبالؒ نے انسانی خفیہ و خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے لفظ "خودی" کو فکری اساس بنایا۔ اس اساس پر ایک نظام فکر کی عمارت استوار کی۔ اس نے یہ بات پوری دیانت داری کے ساتھ سوچ لی کہ مغربی علوم کے سیلاب نے معلومات تو دے دی ہیں بظاہر آزادی کا راگ بھی الاپا جارہا ہے مگر مسلمان کا قومی تشخص مسخ کیا جارہا ہے۔ بظاہر آزادی ہے مگر بباطن گرفتاری۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

وہ تعلیم بذریعہ تجربات و مشاہدات کے بہت بڑے داعی تھے مگر وہ اس علم و ہنر کو پر کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے تھے جو مسلمان روح جہاد و غزا چھین لے کیونکہ قوموں کا وجود ہی جہاد و جسارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

من آن علم و ہنر را باپر کاہے نمی ارزم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

انھوں نے ایک طرف ارباب حکومت کو نشانہ تنقید بنایا۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

تو دوسری طرف طالب علموں سے بھی گلہ کیا کہ تم محض انگریزی لباس پہن کر اپنے آپ کو انگریزی علم و دانش کے نقیب سمجھ بیٹھے ہو اس کے لیے ذہنی استعداد کی ضرورت ہے۔

علم و فن را اے جوان شوخ و شنگ
مغز می باید نہ ملبوس فرنگ

وہ خداوندان مکتب سے شاکی نظر آتے ہیں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں اقبالؒ نے پورے نظام تعلیم کی تطہیر چاہی۔ اس عمارت کو ڈھاکر ایک نئی عمارت کا نقشہ پیش کیا۔ اس نے اس زور سے اس تعمیر نو کا صور پھونکا کہ کان گنگ ہوگئے۔ یہ صدائے بازگشت یوں بھی شدت سے محسوس کی گئی کہ وہ خود یورپ میں رہ کر اس تعلیم کے نتائج کو بچشم خود دیکھ آیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ السعید من وعظ بغیرہ وہ جانتا تھا کہ مغرب میں تجربی علوم نے مادی تغیرات میں تو آسمان کی بلندیوں کو چھولیا ہے مگر افلاس کردار نے وہاں انسانیت کو اپاہج کر کے رکھ دیا ہے اس کے مداوے کیلئے اس نے نہایت متوازن نظام تعلیم کی طرف واضح اشارے کیے ہیں۔ فکر اقبالؒ نے تعارف و مناسبت رکھنے والے لوگ اس سے خوب آگاہ ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد تو یہ سوال اٹھانا ہی عبث ہے کہ یہاں کونسا نظام تعلیم رائج ہو کیونکہ پاکستان کی وجہ جواز اور وجہ تخلیق ہی اسلامی نظام حیات ہے۔ اس لیے یہاں اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کی عملی صورت قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں ہی متشکل ہو جانا چاہیے تھی مگر .... ہمارے ہاں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بلکہ تعلیمی دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں تین طرح کے نظام ہائے تعلیم رائج ہیں جو ایک دوسرے سے کلی طور پر غیر مربوط اور غیر ہم آہنگ ہیں ۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ملک ایک ' قوم ایک ' ملی مفادات ایک ' تہذیبی روایات اور تمدنی چلن مشترک مگر تعلیم میں تثلیث کی بدعقیدگی ۔ یہ تثلیث تین طرح کے شہری پیدا کر رہی ہے۔

(i) مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل۔ (ii) عام حکومتی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ

(iii) حکومتی فیاضیوں سے مراعات یافتہ اداروں کے تعلیم یافتہ افراد۔

جہاں تک مدارس دینیہ کے طلبہ کا تعلق ہے وہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک بوجوہ حکومتی سرپرستی سے محروم یا بے نیاز رہے ہیں چونکہ یہ مدارس خیراتی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔ اکثر حالات میں معاشرے کے پس ماندہ افراد ان میں تعلیم و تعلم کی غرض سے آتے ہیں۔ ان کے نصاب تعلیم میں ہم آہنگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی بنیاد کم و بیش حک و اضافے کے ساتھ مولانا نظام الدین سہالوی کے درس نظامی پر ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ درس نظامی اگرچہ عربیت کا علمبردار ہے مگر آج اس کا اکثر حصہ روح عصر خالی ہے۔ مولانا عبد الاول جونپوری نے جن حقیقت پسندانہ الفاظ میں اس نصاب پر تنقید کی ہے وہ نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ۔ بلکہ بہت حد تک حقیقت حال کی عکاسی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"ہمارے ہاں صرف و نحو کی ساری کتابیں چاٹنے کے بعد لسانی علوم چھوڑ کر معقول دفقہ کی کتابوں میں لگ جاتے ہیں ۔ نتیجہ یہ کہ ادب سے کورے رہ جاتے ہیں اور عربی زبان میں تقریر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریر کے ذریعے اظہار مافی الضمیر پر قادر نہیں ہوتے چنانچہ جب کوئی عیسائی عالم آکر عربی میں بات کرتا ہے تو ہمارے علماء و مدرسین عربی میں جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ (تمرین الادب فی توقین العرب ملحق بہ شرح جامی)

یہ تنقید واقعی بڑا وزن رکھتی ہے۔ ارباب فکر و نظر سے پوچھنا چاہیے کہ علم صرف میں میزان و پنج گنج سے دستور المتبدی تک علم النحو میں مائتہ عامل سے کافیہ اور ضو شرح ملا تک سب کتابیں رٹانا ضروری ہے۔

علم منطق میں میر ایسا غوجی' شرح تہذیب ملا یزدی۔ سلم کی مختلف شروح کو یاد کرانا ذہنی قلابازیاں نہیں تو اور کیا ہے۔ علم طب میں قانونچہ 'موجز اور حیات شیخ کی اب کیا حیثیت و اہمیت رہ گئی ہے۔ اس کے بر عکس علم تفسیر و حدیث تبر کا پڑھائے جاتے ہیں اور علم لغت میں قاموس ہی اول و آخر شامل نصاب ہے جبکہ عراق سے مراکش تک دنیائے اسلام کی زبان عربی میں صاحب قاموس مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (متوفی ۷۱۷ھ) کے زمانے سے لیکر آٹھ سو سال میں اس قدر تغیرات آچکے ہیں کہ یہ لغت اب زباندانی کے لیے ازحد ناکافی ہو چکی ہے۔ کیا اس نصاب میں زبردست ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں۔ دیکھنے میں آیا کہ مدارس دینیہ میں اساس اگرچہ درس نظامی ہی ہے مگر عملاً" تدوین نصاب میں اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ کا معاملہ ہے اور اس آغاز کی کوئی انتہا نظر نہیں آرہی۔ اگرچہ مختلف مسالک فقہی کے مدارس میں ہم آہنگی کے لیے مخصوص امتحانی ادارے قائم کر دیے گئے ہیں تاہم یہ سب کچھ نجی سطح پر ہو رہا ہے جو ملی سطح پر توافق و تطابق کی روح کے منافی ہے ملک بھر میں ان امتحانی اداروں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

دیوبندی مسلک سے متعلق مدارس کا امتحانی بورڈ وفاق المدارس العربیہ ہے۔ اہلحدیث مسلک کے مدارس دینیہ کا امتحانی ادارہ وفاق المدارس السلفیہ ہے۔ بریلوی مسلک کے مدارس تنظیم المدارس العربیہ کے زیر اہتمام امتحان دیتے ہیں۔ شیعہ مسلک کے مدارس سلطان الافاضل الشیعہ کے زیر انصرام امتحان دیتے ہیں' اور جماعت اسلامی سے وابستہ مدارس کا امتحان رابطہ المدارس الاسلامیہ ہے۔ ان سب امتحانی بورڈوں میں کسی بھی سطح پر اتحاد و اتفاق نہیں۔

اگرچہ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد کے زیر اہتمام ۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے تقرر سے ایک قومی کمیشن برائے دینی مدارس 'پاکستان' عمل میں آیا جو اہم مسالک کے ممتاز ۲۷ علماء سکالروں اور وائس چانسلروں پر مشتمل تھا ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی 'اس کے صدر تھے اس رپورٹ میں جو ۲۲۰ صفحات پر مشتمل تھی عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت خوبصورت نصاب تجویز کیا گیا ہے مگر افسوس کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک کے طول و عرض میں کسی کبھی ادارے نے اس کو عملاً" آزما کر نہیں دیکھا۔ البتہ اس سمت میں الجامعہ الاسلامیہ العالمیہ International Islamic University اسلام آباد جو صدر کے ایک آرڈیننس کے ذریعے ۱۹۸۵ء میں قائم کی گئی ایک مستحسن اقدام ہے جس سے عصر حاضر کی ضروریات سے امناسب و موانست رکھنے والے علماء کے فارغ التحصیل ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

جہاں تک مجموعی طور پر مدارس دینیہ کا تعلق ہے ان میں قوم کے نونہالوں کی جدید معاشرتی رجحانات سے ناواقف اور عصر حاضر کی منڈی میں بے قیمت کھیپ تیار ہو رہی ہے۔ ان کے معصوم ذہنوں کو فلسفہ و منطق کی ذہنی آزمائشوں سے مناظراتی رنگ میں تیار کیا جاتا ہے۔ جو فارغ التحصیل ہو کر محض فارغ رہتے ہیں اور ان کی اکثریت سوسائٹی کے کسی چوکھٹے میں فٹ نہیں آتی جدید علوم سے عدم واقفیت اور عصری مسائل کے حل میں کو تاہ فکری کی وجہ سے تکمیل تعلیم کے بعد یا تعلیم ادھوری چھوڑ کر وہ معاشرے میں جنس کسمپرسی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں **الا ماشا اللہ**۔

اب آیئے اہل تثلیث کے دوسرے اقنوم کی طرف۔ طلبہ کا یہ وہ طبقہ ہے جو ان سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہا ہے جو حکومتی انصرام میں چل رہے ہیں یا نجی ہونے کے باوجود حکومت کا مقرر کردہ نصاب وہاں پڑھایا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس قسم کی تعلیم بہت پھیلی۔ اکبر الہ آبادی بہت پہلے اپنے مخصوص انداز میں کہہ گیا تھا۔

کالج و اسکول و یونیورسٹی

قوم بے چاری اسی پر مرمٹی

تاہم کالج و اسکول و یونیورسٹی پر مرمٹنے کے باوجود تعلیم بہت پھیلی اگرچہ علم نہیں۔

پچھلے چار دہائیوں میں پرائمری سکولوں کی تعداد میں ۱۰ گنا اور پرائمری طلبہ کی تعداد میں ۱۴ گنا اضافہ بظاہر ایک دل خوش کن امر ہے مگر ملک کے کل ۶۷٪ طلبہ میں ۴۸٪ پرائمری سکولوں میں زیر تعلیم ہیں تو ۱۷٪ ثانوی مدارس میں پڑھتے ہیں جبکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صرف ۲٪ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں درآنحالیکہ مغربی ممالک سے قطع نظر صرف ایشیا ہی میں جاپان میں ۳۰٪ فلپائن میں ۲۶٪، تھائی لینڈ میں ۱۹٪ اور جنوبی کوریا میں ۵=۱۷٪ طلبا اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں یوں ہمارے یہاں معیار تو ناگفتہ بہ تھا مقدار بھی حوصلہ افزا نہیں۔

ادھر قیام پاکستان سے لے کر اب تک تعلیمی ترقی اور ملک میں مردان کار تیار کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مختلف آٹھ پالیسیاں مرتب کی گئیں۔ کمیشن پر کمیشن بیٹھے سیکڑوں صفحوں پر مشتمل رپورٹیں تیار ہوئیں۔ منظور ہوئیں ۔ ان تجاویز کو کسی نہ کسی حد تک نافذ العمل کرنے کی بھی کوششیں ہوتی رہیں مگر معاملے کی نوعیت میں خاطر خواہ تبدیلی نہیں ہوئی۔

سب سے پہلے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے فوراً" بعد تعلیمی کانفرنس ۱۹۴۷ء نے ملک میں تعلیمی اصلاحات کا بیڑا اٹھایا ازاں بعد ایک اور تعلیمی کانفرنس ۱۹۵۱ء میں ہوئی ۔ تیسری اصلاح کی کوشش وہ تھی جو ۱۹۵۹ء کے تعلیمی کمیشن کی جامع رپورٹ کی صورت میں سامنے آئی ۱۹۶۶ء میں چوتھے تعلیمی کمیشن نے ایک تعلیمی پالیسی وضع کی۔ ۱۹۶۹ء میں ایک اور تعلیمی پالیسی نے تجاویز پیش کیں۔ ۱۹۷۲ء میں چھٹی پالیسی سامنے آئی۔ اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں ساتویں تعلیمی پالیسی رو بعمل آئی۔ آٹھویں اور آخری تعلیمی منصوبہ بندی ۱۹۸۴ء میں وجود پذیر ہوئی۔ آج کل اس دائرہ کار میں اس (ACTION PLAN) کی فرمانروائی ہے۔ ان تعلیمی پالیسیوں اور رپورٹوں کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے نہ ضرورت تاہم پچھلے ۴۰ سالہ سے تعلیمی میدان میں اکھاڑ پچھاڑ کے باجود کچھ اس طرح کی ادھیڑ بن میں مبتلا تعلیم یافتہ طبقہ ظہور پذیر ہو رہا ہے جو طلبہ کے پہلے طبقے سے کم مظلوم نہیں۔ یہ طالب علم جونہی سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں مغربی افکار و آراء اور اجنبی اطوار و عادات کی گرفت میں آجاتے ہیں ۔ یہ طالب علم جوں جوں سیانے ہوتے ہیں سکولوں سے کالجوں اور کالجوں سے یونیورسٹیوں کی راہ لیتے ہیں تو عجیب ذہنی خلفشار اور فکری تضادات کا شکار ہو جاتے ہیں ان میں عموماً" تین طرح کے طالب علم ہوتے ہیں اولاً" جو زندگی اور اس کے مسائل سے متعلق کسی سنجیدہ غور و فکر سے قطعاً" عاری ہوتے ہیں ان کی تعلیم 'READING WRITING اور RECKONING) کی حد تک تو مفید ہے مگر عملی اور فکری حیثیت میں وہ جانوروں سے ذرہ برابر آگے نہیں سوچتے۔ سوائے چارے کے انھیں کسی چیز سے غرض نہیں سوائے اپنے پیٹ کی خدمت کے ان سے کسی دوسری خدمت کی توقع ہی رکھنا بے سود و بے معنی ہے۔ ان کے ذہن میں اگر کچھ پریشان خیالیاں ہیں تو محض اس بات کی کہ فارغ التحصیل ہو کر کونسی ملازمت اختیار کرنی ہے۔ اگر الجھن ہے تو صرف یہ کہ کونسے وسائل اقتصاد کو بروئے کار لاکر پیٹ پوجا کرنی ہے۔ یہ پڑھتے ہی اسی لیے ہیں کہ ترجیحاً" حکومت کی کسی مشینری میں کل پرزے کی حیثیت سے فٹ ہو جائیں یا پھر بد عنوانی کی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھولیں اور بس۔ ع

فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

ثانیاً" وہ طالب علم جو مغربی علوم پڑھتے ہیں۔ اقتصادی مسئلہ تو اول الذکر گروہ کی طرح ان کے لیے بھی جان کا روگ ہے مگر یہ اپنی 'ہیچ میرزی اور کوتاہی فکر کی وجہ سے غیر محسوس طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان علوم و فنون کے ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ ہر قسم کی اخلاقی ' دینی اور تہذیبی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر جدت پرستی کے ہو رہتے ہیں' ان کے لیے علمائے مغرب وہ فرنچ ہوں یا انگلش' جرمن ہوں یا سوس' ہر علم و فن پر حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مرعوبیت کا یہ عالم ہے کہ ان معارف کو بھی اہل مغرب کے کھاتے میں ڈالتے ہیں جنھیں اہل مشرق نے ایجاد کیا اور اہل مغرب بصد سپاس و امتنان ان کا احسان مانتے ہیں ۔ یہ وہ طالب علم ہیں جو اپنے اسلاف کے کارناموں سے تو بے بہرہ ہیں یا اگر انھیں اپنی تہذیبی روایات سے کچھ تعارف ہے بھی تو برائے نام سا مگر اہل مغرب کے افکار و عقائد سے خاصا شغف رکھتے ہیں نتیجہ یہ کہ تہذیب جدید کی جملہ آلائشوں اور قباحتوں کے لیے ان کے دل میں نہایت نرم گوشہ ہوتا ہے اور ان آلودگیوں کو عصری تقاضوں کا نام دے کر خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں ان طلبہ کے ذہن اس قدر شرقیت بیزار ہوتے ہیں کہ وہ طوفان مغرب کے سامنے بند باندھنے کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ ساون کے اندھے کی طرح انھیں ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔ جو نظریہ سمندر پار سے آیا انھوں نے **منا و صدقنا** کہہ کر اسے بجان و دل قبول کر لیا۔

ثالثاً" وہ طلبہ جو اسلام سے گہری شیفتگی رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ داعیہ کروٹیں لیتا ہے کہ ان کا بس چلے تو وہ سارے نظام تعلیم کو زیر و زبر کر ڈالیں۔ یہ طلبہ مغرب کی سائنسی ترقیوں اور مادی وسائل سے نفع اندوزی کا امتحان کرنے کے باوجود مغربی افکار و عقائد کی بے مائیگی اور ان کے بطلان کے لیے آتش زیر پا ضرور ہوتے ہیں مگر اس نظام تعلیم کے شکنجے میں کسے ہوئے ان کو باطل قرار نہیں دے سکتے۔ ان کا دل دھڑکتا بھی ہے اور تڑپتا بھی مگر ذہن پر عقلیات کا جن اس قدر سوار ہوتا ہے کہ ان کے لیے نہ جائے ماندان نہ پائے رفتن والا معاملہ ہوتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ طلباء کا یہ تیسرا گروہ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔ ان کا دل مسلمان ہے' مگر دماغ میں الحاد اور دین سے بیزاری کے بیج پرورش پا رہے ہیں ایسے طالب علموں کا دل و دماغ کبھی اندر ہی اندر سلگتا کبھی بھٹی کی طرح دہکتا اور کبھی ہنڈیا کی طرح ابلتا ہے۔ ایسے طلبہ کی آرزوئیں عموماً" ذہنی کشمکش کی نذر ہو جاتی ہیں۔

جب وہ اسلامی فکر اور جدید مغربی فکر میں تطبیق نہیں کر پائے تو بسا اوقات بے چارگی کے عالم میں منزل سے دور جا پڑتے ہیں۔ ع

دشت تا حد نظر قافلے والے پیدل

سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والوں کے اس گروہ کو ہم نے عجیب مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ فرض کیجئے مغربی نظام تعلیم کا ایک تصور یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے تغیرپذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ جب ہم انھیں یہ تصور دیتے ہیں تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ خارجی عوامل و مظاہر کی تبدیلی سے اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔ طالب علم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر لے گا کہ جب مظاہر خارجی سے اقدار حیات بدل جاتی ہیں اور ہر چیز تغیر پذیر ہے تو لازماً" اسلام بھی ایک زمانے میں واقعی قابل قدر نظریہ حیات تھا مگر تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ ۱۴۰۰ سال کے بعد اس قابل نہیں رہا کہ بیسویں صدی میں عصری تقاضوں کا ساتھ دے سکے یا جدید ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ اب اگر وہ ذرا منہ پھٹ بھی ہے تو اپنے داخلی احساسات کو زبان پر لانے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ موجودہ نظام تعلیم میں نہ معلم اس کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ ہی والدین اس کی آوارہ فکری کو زنجیر کر سکتے ہیں وہ یہ ضرور سوچے گا کہ (خاکم بدہن) اسلام کی فرسودگی کو کسی نئے ازم سے مبدل کر ڈالا جائے۔

اب ذرا اس نظام تعلیم تگڈم کے تیسرے عنصر کا جائزہ لیجئے۔ یہ طلبہ کا وہ طبقہ ہے جو انگریز بہادر کے نظریہ تقاطر (FILTERATION THEORY) کی خاص پیداوار ہے۔ یہ وہ طالب علم ہیں جو پبلک سکولوں اور انگلش میڈیم اداروں میں تعلیم پاتے ہیں جو نظام ان مراعات یافتہ طلبہ کو پوری قوم کے بچوں سے الگ قسم کی کوئی مخلوق بنانے پر مصر ہے وہ پاکستانیت کی روح سے عاری ہے۔ وہ اس بات کا بھی قائل نہیں کہ TALENT جہاں کہیں بھی ہو اسے ابھرنا چاہیے اور ملک و ملت کے لیے نفع بخش ہونا چاہیے بلکہ ایک خاص طبقے کو خواہ اس میں استعداد ہو یا نہ ہو ابھارنا، اٹھانا اور آگے لانا چاہتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان اداروں پر قوم کے بے پناہ مصارف اٹھتے ہیں اور ڈھلتا ہے ان کارخانوں میں ولایتی مال جو اس خیال سے ڈھالا جاتا ہے کہ ملک کی انتظامی مشینری اور اعلیٰ سروسوں کے لیے کار آمد ہوگا۔ پاکستان جیسے ملک میں ان اداروں کا قیام اول تو ہے ہی اسراف میں داخل اور اگر کسی طرح اس کے عدم اسراف کا جواز نکال بھی لیا جائے تو کوئی بھی منصف مزاج آدمی اس کی عدم مساوات اور عدم توازن پر صاد کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک ایسے ادارے کا طالب علم اپنی ذہنی صلاحیت کی پستی کے باوجود محض تمول و ثروت کے بل پر مراعات و استحقاق کے مزے لوٹے اور ایک نہایت بلند ذہنی سطح کا طالب علم صرف اس وجہ سے ان اداروں میں داخلے سے محروم رہے کہ وہ چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوا تھا اور اگر کوئی فطین بچہ کسی دور افتادہ ادارے سے حالات کا مقابلہ کرتا کراتا اس آسمانی مخلوق کا مدمقابل ہو بھی جائے تو ان حقوق یافتہ اداروں کی شاندار روایات کے حوالے سے ترجیحی بنیادوں پر کامیابی انھیں کے فارغ التحصیل طلبہ کے قدم چومتی ہے اور اس بیچارے کی فطانت و ذہانت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے اس تعلیمی تکڑی کی صورت حال - یہ قوم کی بدقسمتی ہے کہ ایک ہی قوم کے بچے تین مختلف نظام ہائے تعلیم میں تعلیم و تربیت پاکر ایک دوسرے سے اسقدر بے گانہ ہیں کہ وہ الگ الگ قومیتوں کے لوگ دکھائی دیتے ہیں - دینی مدارس کے طلبہ کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کو فکر آخرت سے بے پروا دینی اقدار سے نابلد۔ سیرت و کردار کے ترفع سے عاری اور علم صحیح سے بے گانہ خیال کرتے ہیں۔ دوسری طرف سکولوں اور کالجوں کے طالب علم درس نظامی کے فارغ التحصیل طلبہ کو فرسودہ خیال' عالم افکار و آراء سے بے خبر' رفتار عصر سے نا آشنا اور مالی آسودگی نہ ہونے کی وجہ سے کمتر و کہتر بلکہ محض میسترؔ خیال کرتے ہیں - ادھر محکمہ تعلیم کے چہیتے ' یورپین ٹائپ اداروں کے لاڈلے اور قومی خزانے کے طفیلی جو اصلا'' اس تعلیمی تثلیث کے دوسرے اقنوم ہی کی ایک فرع ہے اپنے آپ کو کوئی مخلوق بالا ہی خیال کرتے ہیں۔
ہچو ما دیگرے نیست۔

حاصل کلام یہ کہ اگر پاکستان کے جسم کو صالح خون سپلائی کرنا مقصود ہے' اگر نئی نسل کو سچے پاکستانی اور پکے مسلمان کی حیثیت سے ابھرتے دیکھنا مطلوب ہے اور واقعی پاکستان کو اسلام کا حصن حصین بنانا ہے تو اس غرض کے لیے اس تثلیث کو ختم کر کے وحدت میں بدلنا ہوگا۔ وحدت نظمی' وحدت فکری' وحدت نظری' وحدت عملی - ہم موحد ہیں ایک کے پرستار - یکجہتی ہمارا شعار ہے۔ ہمیں نام نہاد ماہرین نہیں مردان کار کی ضرورت ہے جو آگے بڑھ کر اس تکڑے پر مزید تضمین کی اجازت نہ دیں۔ انتہائی مراحل پر ماہرین کی کھیپیں نکلیں۔ ابتدا ہی سے تو نوجوانوں کی توانائیاں بے مقصد نصابوں میں نہ گنوادی جائیں۔ سوال یہ ہے کہ اب کون میکالے سنگ راہ ہے اور کون بدیسی حکمران سد سکندری؟

وسعت نظر اور دقت نظر ان تمام نصابوں کا عمیق جائزہ لینے کے بعد ایسا نصاب تیار کیا جائے جو ان کو ایک دوسرے کے قریب تر لائے۔ یہ سینہ چاکان چمن ایک دوسرے سے گلے ملیں اور سارے گلے بھول جائیں۔۔

گلے سے ملتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکاتیں کیا کیا

ایک زمانے میں علیگڑھ اور دیو بند نے اپنی اساسی پالیسیوں میں لچک پیدا کر کے آپس میں بہت حد تک مفاہمت کر لی تھی اس لیے کہ انتہا پسندی ہمیشہ کعبے کے بجائے ترکستان کو لے جاتی ہے۔۔

ترسم کہ بکعبہ نرسی اعرابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیں راہ کہ بروی بترکستان است

آج ہماری اشد ضرورت یہ ہے کہ انتشار و افتراق کے خطرناک رجحانات کو جنھوں نے تعلیمی المیے کی صورت اختیار کر رکھی ہے تج دیں۔ طلبہ کو ایک دوسرے کے قریب لائیں۔ و دنیا کا امتیاز ختم کریں۔ تضاد اگر ہے تو دنیا و آخرت کا ہے نہ کہ دین و آخرت کا' دین کا نق الحاد و بے دینی ہے نہ کہ دنیا۔ محض اسلامیات کی ترقیع و پیوند کاری سے روائے ملت کے دن اور چلے گی" نصابوں میں پیوندکاریوں کے بجائے عمرانی علوم کی بنیاد اسلامی نقطہ نگاہ پر رکھیں اور تجربی علوم کے نتائج کا استنباط اسلامی نقطہ نگاہ سے کریں جب کہیں جاکر ہم پاکستان کو اسلامی نظام حیات کی تجربہ گاہ بنا سکیں گے۔ ورنہ ع ایں خیال است و محال است و جنوں

بقیہ: علمے کہ رہ حق ننماید جہالت است

قدمی کریں ورنہ خاموشی بہتر ہے۔

گزشتہ تیس سالہ تاریخ میں اس ملک میں اسلام کے ساتھ کسی حکمران اور اسی طرح علماء اور پیروں وغیرہ نے کسی نے بھی انصاف نہیں کیا' طلبا کو کسی بیرونی سہارے کی بھی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

© rasailojaraid.com